اجنبی سمتوں سے
(شعری مجموعہ)
حیدر وارثی

حیدر وارثی کے یہاں اپنا ایک سلیقہ ہے۔
انہوں نے تشبیہ، استعارہ اور کبھی علامت کے ذریعہ
حیات و کائنات کے نازک مسئلوں کو تخلیقی سطح پر سادگی
اور طرحداری کے ساتھ برتنے کی کوشش کی ہے۔ اپنی
ایسی کوششوں میں بسا اوقات وہ کامیاب بھی رہے
ہیں۔ فارسی ہو کہ اردو غزلیہ اسلوب مجاز سے حقیقت
کی آئینہ داری میں سب سے زیادہ کامیاب رہا ہے۔
حیدر وارثی کے یہاں مجاز اور حقیقت کے سنگم پر الفاظ
وسیلۂ اظہار بنتے ہیں۔ یہ ایک خوبصورت عکس ہے
اس بے آباد تخلیقی باطن کی، عارفانہ باز آبادکاری کی
کوششوں کا جس کے لئے وہ مبارک باد کے مستحق
ہیں۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

مبارک ہو تم کو حجابات پوشی
بنایا ہے مجھ کو مگر کیوں فسانہ
بدل جائے حیدرؔ گماں بھی یقیں سے
جو اک بار کہہ دے مجھے وہ دوانہ

تاریخ: ۲۰ رجون ۲۰۰۷

پروفیسر لطف الرحمٰن
بھاگلپور

اجنبی سمتوں سے

حیدر وارثی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی
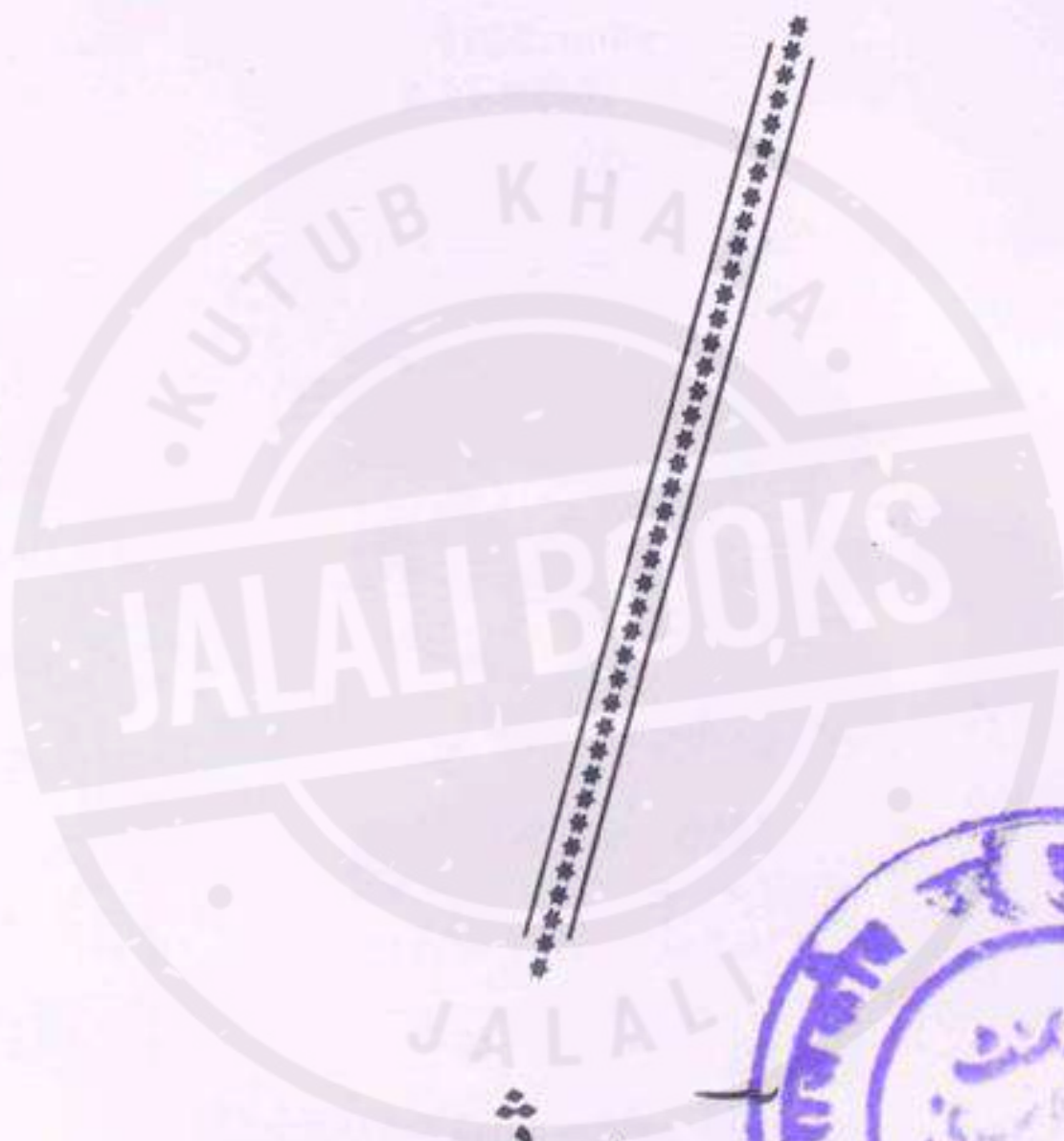
اس کتاب کی اشاعت میں محکمہ راج بھاشا اردو ڈائرکٹوریٹ حکومت بہار کا مالی تعاون شامل ہے۔

AJNABI SAMTON SE

(Poetry)

by: Haider Warsi

Mob. No. 07277803486

Year of Edition 2017
ISBN 978-93-86486-76-9
₹ 250/-

نام کتاب	:	''اجنبی سمتوں سے''
شاعر	:	حیدر وارثی
سن اشاعت	:	۲۰۱۷ء
تعداد	:	۲۰۰
قیمت	:	۲۵۰ روپیہ
کمپوزنگ	:	احسان عالم، گلیکسی کمپیوٹرس، رحم خاں، دربھنگہ Mob: 9431414808
ناشر	:	جاوید حیدر وارثی، وارثی کاٹیج، تعلیم نگر، بی بی پاکر، دربھنگہ۔۴
مطبع	:	روشان پرنٹرس، دہلی۔۶

کتاب ملنے کے پتے

☆ اے۔ایچ۔وارثی، جدید وارثی حویلی، تعلیم نگر، بی بی پاکر، دربھنگہ۔ 4
☆ نویلٹی بکس، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ 4۔
☆ زبیری بک ڈپو، آستانہ روڈ، دیوا شریف، بارہ بنکی (یوپی)
☆ بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph : 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540
E-mail: info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

ان اہل دل اور اہل محبت
کے نام جنہوں نے مجھے شعر گوئی پر
مائل کیا۔

اجنبی سمتوں سے جس دم استعارہ مل گیا
تب برائے نور و نکہت گل ہزارہ مل گیا

حیدر وارثی

مختصر تعارف

نام	:علاء الدین حیدر
ادبی نام	:حیدر وارثی
تاریخ پیدائش	:پہلی جنوری ۱۹۴۶ء
جائے پیدائش	:محلہ الل پٹی، دربھنگہ
پتہ	:وارثی کاٹیج تعلیم نگر، بی بی پاکر، دربھنگہ (بہار)
ولدیت	:نورالہدیٰ وارثی مرحوم
تعلیم	:ایم۔اے۔(انگریزی)، بی۔ایڈ۔
پیشہ	:سابق پرنسپل، ایس۔ام۔ایچ۔ایس۔لہیریا سرائے، دربھنگہ
مصروفیات:	شاعری، مضمون نگاری، باغبانی، مشاعروں اور نشستوں میں شرکت
آبائی وطن	:اڈیرن ہاٹ، رہیکا، مدھوبنی ، رحم گنج، دربھنگہ
	حالیہ سکونت: بی بی پاکر، دربھنگہ
اعزازات وانعامات	:(۱) امیر خسرو راشٹریہ شیکھر ادبی ایوارڈس، ساہتیہ کار سند سستی پور (۲) دربھنگہ انتظامیہ کی جانب سے شعر گوئی پر انعامات (۳) شعری مجموعہ ’’قربت کی خوشبو‘‘ پر اردو کونسل ہند دارالغیاث، اردو گلی، پارک لین، سبزی باغ، پٹنہ۔۴ کی جانب سے ایوارڈ، (۴) بہار اردو اکیڈمی کی جانب سے دوسرے شعری مجموعہ ’’قربت کی خوشبو‘‘ پر ایوارڈ وتوصیفی سند ۲۰۱۱ء بہار اردو اکیڈمی کی جانب سے شعری مجموعہ ’’سمندر کی آنکھ‘‘ پر ایوارڈ وتوصیفی سند شعری مجموعہ ’’سمندر کی آنکھ‘‘ پر اترپردیش اردو اکیڈمی سے ایوارڈ اور توصیفی سند
تصانیف	:مجلہ شفیع (۲۰۰۱ء)، دربھنگہ (ترتیب) عکس جمال (پہلا شعری مجموعہ ۲۰۰۲ء) قربت کی خوشبو (دوسرا شعری مجموعہ، ۲۰۰۷ء)، ریگ زار حیات (تیسرا شعری مجموعہ ۲۰۰۸ء) سفر روشنی کا (چوتھا شعری مجموعہ، ۲۰۱۰ء)، سمندر کی آنکھ (پانچواں شعری مجموعہ ۲۰۱۲ء) خودنوشت سوانح حیات (زیر طبع)

☆☆☆

کچھ کہی ان کہی کی ہے صورت

قارئین کرام!

میں آپ کے سامنے اپنا چھٹا شعری مجموعہ ''اجنبی سمتوں سے'' پیش کرنے کی جسارت کررہا ہوں۔

کاش اس کتاب کے چند اشعار بھی آپ کے ذہن وقلب کا حصہ بن جائیں تو شعرگوئی کا حق ادا ہو جائے۔

میں اب تک ایک بڑا شعرگو تو نہیں بن پایا مگر ایک اچھا انسان بننے کی کوشش میں راہِ حیات طے کررہا ہوں اور غالباً اسی کاوش کے نتیجے میں شعرگوئی کا سفر جاری وساری ہے۔

تمنا ہے کہ میری شاعری فن کی حدوں کو چھو لے! میں نے جدت کے نام پر کوئی نیا شعری تجربہ تو نہیں کیا مگر کچھ جدید اشعار کہنے کی سعی رائیگاں کرتا رہا۔

بہر حال آپ مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازیں اور مجھے ضرور بتائیں کہ یہ مجموعہ آپ کو کیسا لگا۔

ناچیز

حیدر وارثی

تاریخ ۲۰/اپریل ۲۰۱۷ء

حمد

جس نے سکھایا تیرنا ماہی کو آب تر میں
پایا اُسی کو میں نے ہر صورتِ ہنر میں

حرمت ہے جس کو حاصل کون و مکاں میں ہر جا
ہو قید کیوں وہ آخر مضبوط بام و در میں

وہ کوہِ نور ایسا ہر قریہ جس سے روشن
ہے روشنی اسی کی ہر شام اور سحر میں

جب رنگ و بو کو پایا میں نے اسی کو جانا
ہر سمت تو وہی ہے ہر شہر، ہر نگر میں

ظلمت بھی ہے منور میری نظر سے دیکھو
وہ چل کے خود ہی آیا اس دم مری ڈگر میں

باطن اگر ہے تاباں تب وہ سمجھ سکے گا
سمٹا ہے اک سمندر اب حلقۂ نظر میں

ذروں میں جلوہ گر ہے خورشید ہے جو حیدرؔ
آئے وہ کاش! اس دم گویا مری پکڑ میں

☆☆☆

نعت پاک

صورتِ حق رسا دیکھتے رہ گئے
"ہم رُخِ مصطفےٰؐ دیکھتے رہ گئے"

پہنچے قسمت سے ہم جو طیبہ نگر
منظرِ دل کشا دیکھتے رہ گئے

سبز گنبد پہ جس دم نظر اٹھ گئی
رنگ اک دل رُبا دیکھتے رہ گئے

چیر کر جالیوں سے جو نکلی ضیاء
جلوۂ جاں فزا دیکھتے رہ گئے

ہو کے یوں مخمور حیدر وارثی
موسمِ پُر فضا دیکھتے رہ گئے

☆☆☆

نعت پاک

کل تک جو معتبر نہ تھے بااعتبار ہیں
جو تیرگی تھے اوڑھے وہی جلوہ بار ہیں

قدم رسولؐ پاک سے مکہ ہے دیدہ زیب
تپتے ہوئے جو ریگ تھے وہ لالہ زار ہیں

خوش بو بسی ہے خاکِ مدینہ میں اب تلک
یعنی حضورؐ آج بھی یوں مشک بار ہیں

تشکیل دو جہاں میں جو نکھرا ہے نور یہ
شمس و قمر بھی گویا انہیں پر نثار ہیں

ہم عاصیوں کو خوف جہنم نہیں کوئی
پیش خدا جو حشر میں راحت گزار ہیں

افسردہ کیوں ہو وارثیؔ تم آج اس قدر
مونس ہیں اُن کے آپؐ ہی جو اشک بار ہیں

☆☆☆

نعت پاک

درِ حضورؐ کا رتبہ دکھائی دیتا ہے
وہیں پہ کعبہ ہمارا دکھائی دیتا ہے

خلوص و خلق کا دریا وہاں رواں دیکھا
جہاں پہ شہرِ مدینا دکھائی دیتا ہے

نبی کی دید سے عکسِ ضیاء ملا جن کو
انہیں کا قلب مصفیٰ دکھائی دیتا ہے

مری فسردہ روی کو جہاں ملیں خوشیاں
وہیں پہ میرا مسیحا دکھائی دیتا ہے

نگاہِ نور میں ہیں اہلِ دل وہی حیدرؔ
جمالِ یار جنہیں ہر جا دکھائی دیتا ہے

☆☆☆

نعت پاک

جب ساعتِ زرّیں میں مدینہ نظر آئے
نسبت نبی پاکؐ سے دیرینہ نظر آئے

پا جائے میری ہستی مرادوں کی منازل
جس سمت نظر اٹھّے خزینہ نظر آئے

میری بھی طلب ہو ترے کوچے میں اُس دم
حرمین میں جب حج کا مہینہ نظر آئے

اے کاش! ملے نظروں کو ہر بار وہی سمت
جب سطحِ زمیں دیکھوں دفینہ نظر آئے

دیکھے تو خیال آئے اُسے مہرِ رسالت
حیدر کو انگوٹھی میں نگینہ نظر آئے

نعت پاک

جس کے دل میں نبیؐ کی محبت رہی
اس کو خلقِ خدا سے بھی نسبت رہی

اس کو کونین کی سرفرازی ملی
شاہ بطحا سے جس کو بھی الفت رہی

کھل گئے اس پہ باریک نکتے سبھی
جس کو خیر البشر سے قرابت رہی

ایک ہی پل میں منزل اسے مل گئی
جس پر میرے نبیؐ کی عنایت رہی

مل گئی دولتِ دین و دنیا اسے
جس کو آلِ نبیؐ سے عقیدت رہی

(ماخوذ از قربت کی خوشبو)

☆☆☆
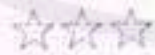
منقبت

"خون سے لکھی گئی ہے داستانِ کربلا"
یاد رکھنا حشر تک اے پاسبانِ کربلا

بس وہی محفوظ ہے ساری بلاؤں سے ابھی
سایہ افگن جس پہ ہے یہ آسمانِ کربلا

بالا دستی حق کی ہوگی باطلوں پر بالیقیں
آج بھی ہوجائے گر پھر امتحانِ کربلا

ہے وہی نازاں مقدر پر یہاں اے دوستو!
جس پہ اُٹھی ہے نگاہِ شاہدانِ کربلا

غوث پاک

ہے جشنِ غوث پاک کی گیارہویں شریف
گھر، گھر میں ہورہی ہے ابھی گیارہویں شریف

بے مثل غوثِ پاک ہیں ایسے ہی ایک پیر
نسبت سے جن کی ہم کو ملی گیارہویں شریف

فرزند دل پسند ہیں جنگی کے آپ ہی
رب سے جنہیں عطا جو ہوئی گیارہویں شریف

یومِ وصال جن کا ہے گیارہ ربیع اخیر
اس روز ان کی دھوم مچی گیارھویں شریف

نظرِ عنایت اُن کی رہی اُس پر مگر ضرور
مقبول نذر جس کی ہوئی گیارھویں شریف

منقبت

خدا کا دوست ہمیں جس جا دکھائی دیتا ہے
وہیں پہ قصبۂ دیوا دکھائی دیتا ہے

شمار کس کا ہے اہلِ خدا زمانے میں
کوئی بھی اب کہاں ویسا دکھائی دیتا ہے

جمالِ ذات کی اس سے بڑی دلیل کہاں
کہ شکلِ پیر میں مولیٰ دکھائی دیتا ہے

وہ جس نے ڈوبتی نیّا لگا دی ساحل سے
وہ کوئی اور تھا تم سا دکھائی دیتا ہے

ہیں نقشِ پنجتن عالم نواز وارث پیر
ہمارا پیر ہمیں مولا دکھائی دیتا ہے

نمازِ عشق سے افضل کوئی نماز کہاں
دیارِ دل ہمیں کعبہ دکھائی دیتا ہے

☆☆☆

منقبت

ہاں وہ بہارِ حسن کا گویا دیار ہے
اک عاشقِ خدا کا جہاں پر مزار ہے

قدسی بھی سجدہ ریز ہوئے جس مقام پر
گویا عبودیت کی وہ جائے قرار ہے

گزری نہیں ہے فصلِ خزاں جس مقام سے
فردوس کی وہ رہگزر دیوا دیار ہے

سرکار نے دکھائی ہے جو راہِ عاشقی
دنیا و دیں میں آج وہی یادگار ہے

فیضِ نظر سے جس کو ملی تابشِ حیات
تہذیب نو کا ایک وہی شہر یار ہے

حسن و جمال جس کی وجاہت کا ہے سبب
وہ ماہ وش تو حسن کا اک شاہ کار ہے

ایوانِ دل کا وارثِ حرمت شناس وہ
کہلایا اپنے عصر کا جو تاجدار ہے

☆☆☆

منقبت

سکوں نواز کوئی ایسی بارگاہ نہیں
برائے حفظ و اماں ایسا کوئی شاہ نہیں

جہاں پہ ذرہ بھی اک آفتاب جیسا ہو
مری نگاہ میں اب ایسی خانقاہ نہیں

نظر سے کر دی عطا جس نے جادۂ منزل
ہیں راستے تو بہت کوئی شاہ راہ نہیں

یہاں پہ آتے ہیں اہلِ الم برائے خوشی
کہ غم زدوں کے لئے کوئی بارگاہ نہیں

ہم اہلِ دل کہاں جائیں گے غم بھلانے کو
قرار دل کے لئے کوئی قرار گاہ نہیں

ملیں اگر یہ کسی کو خدا ملے اس کو
اسی لیے تو بجز اُن کے کوئی چاہ نہیں

میں شادمان ہوں جن کے کرم سے اے حیدرؔ
سوائے اُن کے کسی سے بھی رسم و راہ نہیں

☆☆☆

منقبت

تو چراغِ آلِ رسولؐ ہے
تو ضیاءِ ابن بتول ہے

ذرا دیکھ لے تو مری طرف
تو ہی عمر بھر کا حصول ہے

وہ جو پا سکا نہ عنایتیں
وہی دل یہاں پہ ملول ہے

ملا تجھ کو رنگِ علیؓ نبیؐ
تو باغِ طوبیٰ کا پھول ہے

اُسے تو لگا لے گلے سے اب
جو تیرے قدموں کی دھول ہے

تو ہے آلِ نبیؐ اے وارثا
تو ہی گویا نسلِ رسولؐ ہے

وہ جو دل سے تیرا ہے وارثیؔ
وہی بندہ تیرا قبول ہے

☆☆☆

منقبت

شاہِ سمناں! تری دہائی ہے
در پہ آیا ترے سوالی ہے

تو نے سب کی سنی ہے اے اشرف!
جس کو دیکھو ترا فدائی ہے

تیری مخدومیت کا وہ ہوا شہرہ
دیکھ! خلقت اُمڈ کے آئی ہے

تیرے دامن کو وہ ملی وسعت
بھیڑ خلقت کی در پہ آئی ہے

تو مداوائے غم ہوا سب کا
غم زدوں نے نجات پائی ہے

نام لیوا ہے وارثی ان کا
تو نے نسبت جہاں سے پائی ہے

ماخوذ از قربت کی خوشبو

☆☆☆

شہرِ رمضان

ہو مبارک روزہ دارو تم کو یہ ماہ، صیام
رحمت رب کا رہے یہ سلسلہ تم پر مدام
مومنو! اب قید میں سارے شیاطیں آگئے
کھل گئے رمضان میں جنت کے دروازہ تمام
سونے والے اٹھ کھلے رحمت کے دروازے تمام

رحمتِ حق بٹ رہی ہے آج پھر وقتِ سحر
مومنو! لاتقنطو پر اپنی رکھو تم نظر
شمع ایماں جل رہی ہے دیکھ لو ہر چار سو
جھک گیا ہے بندگی میں آج ہر فرد و بشر
سونے والے اٹھ کھلے رحمت کے دروازے تمام

اب طیور خوشنوا کچھ چہچہانے بھی لگے
آسماں پر ماہ و انجم ٹمٹمانے بھی لگے
اب اجالا کوئی دم میں ہونے والا ہے یہاں
آمدِ خورشید کے آثار چھانے بھی لگے
سونے والے اٹھ کھلے رحمت کے دروازے تمام

(ماخوذ از قربت کی خوشبو)
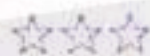
عیدِ اضحیٰ

عیدِ اضحیٰ، عید قرباں رسمِ اسمٰعیل ہے
دین دارو حکمِ رب کی بس یہی تعمیل ہے

ذبح ہونے کے لئے تیار پیغمبر ہوئے
خون دنبہ کا ہوا جو فرض میں تبدیل ہے

ابتدا جس کی بروزِ عیدِ قرباں ہوگئی
یومِ عاشورہ تو بس اس خواب کی تکمیل ہے

'سعی' جو ارکانِ حج سے منسلک ہے آج تک
ہاجرہ کی سنتوں کی بس یہی تفصیل ہے

ایڑیوں کی ٹھوکروں سے پھوٹا چشمہ آب کا
عقل انسانی اسی کو دیکھ کر تحلیل ہے

ماحصل ہے عیدِ قرباں کا یہی تو مومنو
جو ازل سے تا ابد ایثار کی تمثیل ہے

☆☆☆

برفانی ہوا

کس طرف سے آئی برفیلی ہوا
چھاگئی ہے ایک ٹھٹھرن کی فضا

جب حرارت ہوگئی گویا صفر
منجمد ہونے لگے تب بحر و بر

ہستیِ انساں لگی یوں داؤ پر
سیر ناممکن ہوا اب ناؤ پر

راحتِ جاں ہے بلور کس قدر
جو لٹاتا ہے حرارت کے گہر

ہے وہی بندہ مگر راحت رساں
جو رہا ہر حال میں طاعت رساں

☆☆☆

چنو منو

یہ ننھے منھے بچے
سامنے میرے رہتے

دن بھر کھیلے کرکٹ
پڑھنے سے کتراتے

آنکھ دکھائے جب کوئی
ڈرتے ہیں یہ ان سے

پہنے اجلے کپڑے
نکلے گھر سے سج کے

مانگے، ہم سے ٹوفی
آس لگا کر ہم سے

جب بھی نانی آتی
ان سے قصے سنتے

نام جو کوئی پوچھے
چنو منو کہتے

(ماخوذ از ریگزارحیات)

☆☆☆

پروفیسر وہاب اشرفی

مصروف تھا جو کل تلک علمی فشار میں
خوابیدہ آج ہے وہی جائے قرار میں

مینار آگہی رہا جو تا دمِ حیات
وہ کوہِ نور بن گیا ادبی نکھار میں

کچھ عالموں کے درمیاں سرخیل جو رہا
مقبول تو وہی ہوا نقد و نگار میں

آتا نظر جو پھر مجھے خوش بخت وہ ادیب
رعنائیاں ہیں چار سو لیل و نہار میں

جو صاحبِ لطیف تھا اور خوش لباس بھی
پیوندِ خاک ہے وہی گرد و غبار میں

جشنِ وہاب دوستوں نے یوں منا لیا
گُل گوں قبا وہ بن گیا فصلِ بہار میں

مطبوعہ زبان وادب، پٹنہ، ستمبر ۲۰۱۲ء

☆☆☆

بہ یاد حسن امام درد مرحوم

شہر کا ہر ایک شاعر دردؔ سے مانوس ہے
جن کی رحلت پر ابھی ہر اہلِ دل مایوس ہے

کہہ رہا ہے حشر تک روشن رہے گا یہ چراغ
آج اُن کی قبر پر جو جھاڑ کا فانوس ہے

ہے یہی دنیا، یہی دستورِ دنیا دوستو!
بعدِ رحلت ہی کسی کو اس جگہ ناموس ہے

منتظر ہیں سب مگر آئے گا نہ وہ لوٹ کر
''بزمِ رہبر'' میں صدارت کی جگہ مخصوص ہے

ہوگیا غم ناک حیدرؔ آج اُن کی یاد میں
پر سمیٹے رقص سے بیزار جو طاؤس ہے

☆☆☆

چند قطعات بہ موقع تعزیاتی نشست برائے جناب ابوظفر انصاری مرحوم

مورخہ ۱۳؍جنوری ۲۰۱۳ء

(۱)

جا چکے مُلکِ عدم بابو ظفؔر
کر گئے آخر وہ رحلت کا سفر
حال سب کا بس یہ ہونا ہے میاں
خاک ہوگا تیرا بستر بھی پسر

(۲)

کامرانی کی دعا دیتے تھے جو
شادمانی کی دُعا دیتے تھے جو
آج بچھڑے وہ ظفر صاحب مگر
زندگانی کی دُعا دیتے تھے جو

(۳)

نسبتِ عالی ملی جس کو پسر
کامراں ہے بس وہی سمجھو بشر
روشنی کو ملتی ہے جب روشنی
سہل تب ہوتا ہے جیون کا سفر

☆☆☆

آہ تمنا مظفر پوری!

مرادوں کا شجر سوکھا ابھی کیوں
حبیب خاص ہے روٹھا ابھی کیوں

ردائے علم تھا اسرار احمد
بنا مٹی کا وہ تودہ ابھی کیوں

بہاریں دیکھ لیتا اور ابھی کچھ
تناور ہو کے وہ ٹوٹا ابھی کیوں

ملا طرز نگارش جس کو اعلیٰ
اجل نے اس کا رُخ موڑا ابھی کیوں

ثمر پختہ نہ تھا شاخوں پہ اپنی
ارے دستِ ازل توڑا ابھی کیوں؟

بہت شاداب گلشن تھا وہ میرا
اجل نے اس طرح لوٹا ابھی کیوں

ماہنامہ ''زبان وادب'' پٹنہ، جولائی ۲۰۱۳ء

☆☆☆

پروفیسر لطف الرحمٰن

یوں تو نظروں سے تمہاری "لطفِ رحمٰں" دُور ہیں
پھر بھی لگتا ہے مجھے ایسا وہ بزمِ نور ہیں

مضطرب دیکھا تھا اُن کو بے کسوں کی بھیڑ میں
جن کے ناصر وہ رہے وہ آج تک مشکور ہیں

عاجزی اور خاک کے پیکر رہے جو عمر بھر
وہ گریزاں ہی رہے احباب جو مغرور ہیں

جو لُٹاتے ہی رہے علمی خزانے کل تلک
پر ابھی وہ حسرتِ تُربت میں کیوں محصور ہیں

وہ سخن گستر رہے اِس عہد کے ایسے مگر
معتبر ناطق ابھی تک گنگ اور معذور ہیں

چھوڑ کر ہم کو اکیلا سوئے جنت جو گئے
باغِ رضواں دیکھ کر وہ کس قدر مسرور ہیں

کون دیگا ایسی تحریریں ادب کو وارثی
جن کو پڑھ کر قارئیں تو اب تلک مسحور ہیں

☆☆☆
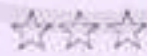
آہ! ڈاکٹر منصور عمر

دارِ فانی سے گزرتے ہیں عمر
نام تھا منصور جن کا دیدہ ور

ناگہاں جو ہوگئے واصل بحق
گویا اب وہ ہوگئے مائل بحق

پاگئے قربِ الٰہی پیشتر
رہ گیا باقی بہت ادبی سفر

سیر کو باغِ جناں تو مل گیا
خیر کا اک آسماں روشن ہوا

منفرد پہچان جو ان کی رہی
کر گئے علم اللساں میں وہ آذری

رہ گئے تنہا مظفر، کہہ گئے
کون ادب کو دے گا ایسے زاویے

التجا ہے رب سے اے منصور عمر
مغفرت کی ملتجی ہے چشمِ تر

☆☆☆

طرحی غزل

مصرع طرح: ''وارث پاک کا آستاں خوب ہے''
ق ر

(بہ موقع سالانہ عرس کاتک، ۲۰۱۲ء، دیوا شریف، بارہ بنکی)

ارضِ دیوا ترا آسماں خوب ہے
''وارث پاک کا آستاں خوب ہے''

یہ زمیں خوب ہے یہ زماں خوب ہے
یہ مکیں خوب ہے یہ مکاں خوب ہے

اشرف العالمیں میرے سرکار ہیں
نورِ یزداں ترا آسماں خوب ہے

داستانیں تو محبت کی ہیں بے شمار
اُن میں 'پیاری' کی وہ داستاں خوب ہے

شوق نے جب جگایا تلاوت بھی کی
سورت حق ترا یہ قرآں خوب ہے

ہے فسردہ کہاں کوئی حیدرؔ یہاں
شاہ وارث کا ہر میہماں خوب ہے

☆☆☆

طرحی غزل

(بموقع عرس کاتک سن ۲۰۱۳ء مورخہ ۲۲ / اکتوبر بہ مقام آستانہ دیوا شریف، بارہ بنکی)

مصرعہ طرح: ''وہ خوش نصیب ہے جس کو یہ آستانہ ملے''

ق ر

درِ پنجتن جسے یک شبانہ ملے
''وہ خوش نصیب ہے جس کو یہ آستانہ ملے''

میں آیا کبھی بھی جو دیوا شریف
تو ہر وارثی مخلصانہ ملے

رہے بھیڑ روضے پہ ہر دم سہی
عنایت مگر وارثانہ ملے

سلامت رہے وارثی میکدہ
جہاں رنگِ مئے عارفانہ ملے

ملا عرسِ وارث کبھی جب مجھے
مناظر سبھی شادیانہ ملے

مصیبت جو گھیرے کسی کو اگر
تو ذکرِ ولی عاجزانہ ملے

نہ بھٹکے کوئی کو بکو وارثی
نظر جب کوئی تازیانہ ملے

☆☆☆

طرحی غزل

مصرع طرح: ''نسبت کو تیری اپنا مقدر بنالیا''
ق ر

بہ موقع عرسِ سالانہ وارثی حضرت شاہ شاجاپور، ایم۔پی۔۲۰۱۴ء

تربت کو تیری ہم نے جو محور بنالیا
''نسبت کو تیری اپنا مقدر بنالیا''

کہتے ہیں جن کو اہلِ زماں وارث علی
دونوں جہاں کا ہم نے تو رہ بر بنا لیا

ذاکر نہ ہوسکا جب اُس کا دل کبھی
مایوس ہو کے پھر اسے پتھر بنالیا

مدھم نہ ہوسکی تھی کبھی اُس کے دل کی لَو
جب تیرگی کو یوں مہ و اختر بنالیا

کرتے ہیں رہزنی وہی حیدؔر سرِ حیات
جس کو بھی ہم نے عشق کا لشکر بنالیا

☆☆☆

طرحی غزل

(بہ موقع سالانہ وارثی عرس ۲۰۱۳، شاجاپور (ایم پی)

مصرعہ طرح: سلام کیوں نہ کریں ایسے آستانے کو

ق ر

اسیرِ دل جو کرے آج بھی زمانے کو
"سلام کیوں نہ کریں ایسے آستانے کو"

نظر جو آیا انہیں حزن کا کوئی پیکر
یہ اس کے پاس گئے حوصلہ بڑھانے کو

جو اشک بار کو لمحوں میں خندہ رو کر دیں
وہ کاش سن لیں ذرا درد کے فسانے کو

جو اپنے وصف سے صحرا کو آبرو بخشیں
وہ آئے قصبۂ دیوا میں گل اُگانے کو

شمار جن کا رہا آسماں کے پاروں میں
وہی تو آئے یہاں روشنی لٹانے کو

اجالا راج کرے تیرگی پہ اے حیدرؔ
وہ آگئے ہیں یہاں دیپ اک جلانے کو

☆☆☆

غزل

تہہ دار سمندر سے اُبھرا ہے کہاں کوئی
جس دھار پہ تو اُترا، اُترا ہے کہاں کوئی

جو رنگ ملا تجھ کو، وہ رنگ حنا کا ہے
اس رنگِ حنائی میں نکھرا ہے کہاں کوئی

پودا جو کبھی سوکھا ہریالا بنا ہے اب
جب تک نہ عنایت ہو نکھرا ہے کہاں کوئی

اوصاف سے تو اپنے تمثیلِ محبت ہے
اک پل جو ملا تجھ سے بچھڑا ہے کہاں کوئی

کوئی نہ ملا ایسا جو موڑ لے منہ اپنا
تکرار کہاں کوئی، جھگڑا ہے کہاں کوئی

کس نے تجھے توڑا ہے کومل ہے بہت ہی تو
تو ٹوٹ گیا لیکن بکھرا ہے کہاں کوئی

آباد ترے دم سے حیدؔر ہے مرا قریہ
تو جس کو بسا لے ہے اجڑا ہے کہاں کوئی

☆☆☆

پاتے ہیں اماں ہم سب یکجا کبھی ہونے سے
بن جاتی ہے اک مالا پھولوں کو پرونے سے

ہم تیرے ہیں شیدائی یہ سچ ہے مگر اے دوست
ہو جائیں گے ہم تنہا بس تیرے نہ ہونے سے

ہر لمحہ جو رہتا ہے گُم صُم تری یادوں میں
روکو نہ کبھی اُس کو آنکھوں کے بھگونے سے

ممکن کہاں اٹھانا احسان ناخدا کا
تسکین ملے شاید کشتی کو ڈبونے سے

گریاں جو رہا گل، گلشن میں کبھی حیدرؔ
روکا نہ کسی نے بھی اُس حُسن کو رونے سے

☆☆☆
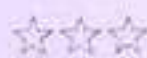
سنائے کیا ان کا حال کوئی جو دل ہے اہلِ زمن گلابی
انہیں سے رنگت ملی زماں کو کہ ان کا ہے بانکپن گلابی

رہی جو سجدہ گزار زینبؓ تو آئی ان کو صدائے غیبی
''شہیدِ الفت کا پوچھنا کیا، لحد بھی روشن کفن گلابی''

لکھے گا دل سے وہی سخن ور کلام اپنا تو پر اثر بھی
عطائے یزداں ہوئی ہے جس پر اسی کا ہو گا سخن گلابی

کھلایا جس نے گلِ حنائی دریچہ دامن میں اپنے
بنے گا وہ صنفِ زعفرائی ، تبھی تو ہوگا چمن گلابی

سیاہ تِل اور سفید رنگت ، پھر اس پر ان کی نشیلی آنکھیں
سمائے جس میں یہ سارے اجزاء وہی ہے گویا بدن گلابی

اسی کو کہئے جمیل پیکر اے وارثی اب زبان سے اپنی
لگایا جس نے بھی نسترن کو وہی ہے اہلِ چمن گلابی

☆☆☆

لو آج خوف کا نیا امکاں گزر گیا
گرداب کا ہی ذکر کیا طوفاں گزر گیا

بادہ کشوں کی بھیڑ تھی پھر میکدے میں کل
بس اس لئے تو کیف کا ساماں گزر گیا

زخمِ جگر کو بھاری پڑی نشتروں کی ضرب
حیراں ہوں کیسے درد کا درماں گزر گیا

کہہ دے نہ کوئی یاس کا مارا اسے ابھی
مایوس تھا پہ وہ لبِ خنداں گزر گیا

آساں نہ تھا سنوارنا گیسو دراز کا
بس اس لئے وہ زلفِ پریشاں گزر گیا

شرمندہ جب نہ ہوسکی تعبیر خواب کی
حرماں نصیب پھر تہہ داماں گزر گیا

سوزِ دروں عطا ہوا جس کو بھی وارثی
وہ آگ کا جلا لب سوزاں گزر گیا

☆☆☆

جس نے بھی تیری ذات کو محور بنالیا
"نسبت کو تیری اپنا مقدر بنالیا"

دینے لگا فریب وہی جانے کیوں ہمیں
جس کو بھی ہم نے زیست کا برسر بنالیا

ذاکر نہ ہوسکا جب اس کا قلب محزوں
مایوس ہوکے اس نے اسے پتھر بنالیا

یہ سحر کاری ہے کہ کرامات کہ اور کچھ
سوکھے شجر کو جس نے ثمرور بنا لیا

کرنے لگا وہ سروری جانے کیوں ندیم
جس کو بھی ہم نے فوج کا لشکر بنالیا

ٹھہرے گا وارثی وہی الفت کے داؤ پر
جس نے مزاجِ خلق میں اک در بنالیا

☆☆☆

مسرور آپ رہئے رنج و الم نہ کیجئے
بس اپنی آنکھ کو کبھی پُرنم نہ کیجئے

وہ سنگ دل تو موم نہ ہو پائے گا ندیم
پتھر کے سامنے تو جبیں خم نہ کیجئے

تاریکیوں میں کیسے گزارا کریں گے آپ
یعنی چراغِ دل کو کبھی مدھم نہ کیجئے

مُڑ کر اُسے نہ دیکھئے جو ہو گیا الگ
وہ آپ کا نہ تھا اُسے ہمدم نہ کیجئے

دیکھی تھی آپ نے ابھی سونے کی ایک کان
''بیدار ہو کے خواب کا ماتم نہ کیجیے''

ضائع نہ کیجیے کہ اثاثہ ہے قیمتی
جو زخم بھر نہ پایا اُسے مرہم نہ کیجیے

پرخاش جب نہیں رہی حیدؔر سے کچھ بھی آج
پھر چھیڑ کر اُنہیں ابھی برہم نہ کیجیے

☆☆☆

جب سطحِ آب پر کوئی شاداب آئے گا
ہاتھوں میں وہ صدف لئے نایاب آئے گا

سرمایہ تابشوں کا مکمل نہ ہو سکا
تکمیل کے لئے کوئی مہتاب آئے گا

بے آب رہنا راس نہ آیا کبھی تجھے
"شہرِ سکوں میں پھر کوئی سیلاب آئے گا"

دے گا وہ میرے عزم کو اک حوصلہ نیا
راہوں میں میری جب کوئی گرداب آئے گا

بے شک وہی ہے کامراں غواص زیرِ آب
جو سر سے پاؤں تک کبھی غرقاب آئے گا

حیدؔر کرے گا وار تو طائر پہ اس گھڑی
بچے کے ساتھ اپنے جو سرخاب آئے گا

☆☆☆

جو بت شکن تھا اُس نے ہی توڑا صنم کوئی
لیکن خموش کیوں رہے اربابِ دل ابھی

دل بر ہے تو کسی کا، ترا ہے کوئی حبیب
دل گیر پھر بھی ہے ترا کیا آج ہر کوئی

پاتا رہا وہ شخص مسلسل ہی ہر نشاط
افسردہ ہو نہ پایا حوادث میں جو کبھی

تھا گندگی سے دور وہی پیکرِ لطیف
جس کو ملی نگاہِ منزہ سے طاہری

پائی اسی نے راہِ ھدیٰ غیب سے میاں
جس کو ملی ازل سے یہاں دستِ رہبری

☆☆☆

ٹھہرے ہوئے پانی کو زم زم نہ لکھوں گا میں
بے سود دواؤں کو مرہم نہ لکھوں گا میں

رویا تھا فلک برسوں اک وادئ گلشن میں
اب بھول سے شبنم کو شبنم نہ لکھوں گا میں

جب ساز کی لَے پر بھی اُترا نہ کوئی مطرب
بے جان سُروں کو اب سرگم نہ لکھوں گا میں

لہرائیں کہاں اُس دم وہ جھوم کے شانوں پر
سلجھی ہوئی زلفوں کو برہم نہ لکھوں گا میں

اب تک نہ بنا کوئی ہمدرد مرا حیدرؔ
میں ایسے فریبی کو ہم دم نہ لکھوں گا میں

☆☆☆

دل جلوں کو وہی جلاتا ہے
کلمۂ عشق جو پڑھاتا ہے

جس کو مطلب نہیں طہارت سے
معصیت سے وہ دل لگاتا ہے

جو بھی راضی ہو حق تعالیٰ سے
اپنی حرمت وہی بچاتا ہے

جس کو پانا ہے آپ کو مولیٰ
اپنی ہستی وہی مٹاتا ہے

جانب خیر جو نہ رہ پایا
جادۂ شر وہی تو جاتا ہے

راہ سیدھی نہیں ملی جس کو
راہ ابلیس کو سجاتا ہے

جو صداقت کو بھولتا ہے جناب
وہ شریعت کو بھول جاتا ہے

☆☆☆

آپ کو شہرت ملی سنگار میں
بھاؤ سونے کا گرا بازار میں

ہوگئی معدوم گھر سے روشنی
تیرگی ہے ہر طرف بازار میں

دیکھ لیں اہلِ نظر گر اک نظر
تب ملے حرمت ہمیں اغیار میں

ڈھونڈ لے ان کو اجالا خود وہاں
جو بسیرا لے چکے ہیں غار میں

حکم کب تک پائیں گے میکشی کا وارثی
لوٹنا ہے جن کو پھر کیف اور سرشار میں

☆☆☆

سانولی دھوپ میں ہم نکھرتے رہے
آئینہ رو بہ رو تھا سنورتے رہے

ہوگئے غیر جب متحد آج کل
آپ اپنے بھی ہوکر جھگڑتے رہے

روٹھ جاتا ہے وہ ہجر دیتا ہے جو
آپ مل کر بھی ہم سے مکرتے رہے

ہیں سفینے وہی نزدِ ساحل ابھی
جو بھنور سے نکل کر ابھرتے رہے

باریابی ملی خال ہی خال کو
کاوشِ رائگاں ہم تو کرتے رہے

حرف لاتا نہ کیوں کر کوئی آپ پر
آپ ہر گام پر ہی بگڑتے رہے

ہوگئے ہیں محافظ وہی وارثیؔ
ماہ پاروں میں جو نور بھرتے رہے

☆☆☆

راز جو حق سے ملا تھا مجھے معلوم نہ تھا
کون پردوں میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا

نرم لہجوں میں مجھے دیتا رہا ہے جو صدا
کیا وہی رازِ بتا تھا مجھے معلوم نہ تھا

مردِ کامل کے سوا بتا سکتا ہے کون
جو بھی تھا حکمِ خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا

جو کہ کھیتا ہے سدا چار سو نیا کو مری
بس وہی میرا خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا

ذکر وہ کس کا تھا اے وارثی قریہ قریہ
وہ تو خوشبوئے وفا تھا مجھے معلوم نہ تھا

☆☆☆

ڈوبنا ہی اسے گوارا ہے
بن گیا جس کا تو سہارا ہے

جو سمجھ لیتا ہے کنایوں کو
گفتنی کا وہ استعارہ ہے

مدتوں تک حجاب حائل تھا
جب کھلا ہے تو کتنا پیارا ہے

دیکھتے ہی ٹھہر گیا کوئی
وہ تو صورت سے ماہ پارہ ہے

جسم کی قید سے وہی نکلا
ذات مطلق سے جس کو یارا ہے

دیدنی ہے جو وادیٔ گُل میں
بس وہی پھول گل ہزارا ہے

پھیر لی ہیں اُسی نے آنکھیں کیوں
جس پہ حیدرؔ ترا گزارا ہے

☆☆☆

شیشۂ دل میں اتر آئی ہے تنویر کوئی
منتظر جس کی رہی شوخیِ تحریر کوئی

عین ممکن ہے وہ اوصاف حمیدہ ہو جائے
نقش اس وقت ہے ابھرا ہوا گمبھیر کوئی

خواب تو خواب ہے معلوم ہے ہر اک کو یہی
جانے کیوں ڈھونڈتا ہے خواب کی تعبیر کوئی

کوئی صورت ہے کہاں کہ بھول جاؤں غم کو میں
کاش مل جاتی خوشی کی ابھی تدبیر کوئی

تیرے کوچے میں گیا ، بارہا جا کر لوٹا
بس وہی رہ گیا حیدؔر تیرا دلگیر کوئی

لگی دل کی تو نظرِ عام سے جانی نہیں جاتی
مگر ہوتی ہے وہ تابش کہ حیرانی نہیں جاتی

جو انوارِ حرم ہیں وہ درخشاں ہی رہے ہر سو
شبِ تاریک میں بھی اُن کی تابانی نہیں جاتی

میرے بادہ کو نسبت ہے کہاں انگور سے زاہد
"پیے جاتا ہوں لیکن پاک دامانی نہیں جاتی"

جسے ہے پسِ حرمت آبا و اجداد کی ہر پل
اُسی گھر سے ابھی تک رسمِ مہمانی نہیں جاتی

رہا جم گھٹ خلائق کا مرے بھی گرد اے حیدرؔ
اخوت اور عقیدت کی یہ طغیانی نہیں جاتی

رونقِ بزمِ طرب ہے علم و ادب کی انجمن
حرمتیں ملتی ہیں اس سے آپ کو اہلِ سُخن

آپ اپنی وضع پر قائم رہیں میرے حبیب
تا کہ دنیا میں رہے باقی کوئی رسمِ کہن

رونما ہو انقلابِ دہر چاہے جس لئے
قدر کوئی بھی نہ بدلے گی مگر چرخِ کہن

چاہے جتنی تیز ہو فکرِ رَسا تیری اڑان
ہجر دے گا ہی تجھے میرا چمن، میرا وطن

تھا ہویدا کون اُس میں کوئی بتلائے ذرا
گر کبھی دیکھی کسی مہتاب سے پھوٹی کرن

اُس کو فرصت ہے کہاں کہ اشک شوئی وہ کرے
جو کہ اپنے آپ میں تھا وارتی ہر دم مگن

تھا سلسلہ عجیب یہاں کج روی کے ساتھ
میں دیکھتا رہا جسے حیرانگی کے ساتھ

بیگانہ تھا کہاں کوئی اُلفت کی راہ میں
میں خود بھی آشنا رہا ہر اجنبی کے ساتھ

ہاں! دیدنی تھا بحرِ محبت ہی چار سو
جب برق خود بنی انا وارفتگی کے ساتھ

آبِ حیات ہی رہے ہم تشنہ کام کے
پیتے رہے ہمیں سبھی آسودگی کے ساتھ

تیرہ، شبی سے خوش رہا جس دم کبھی کوئی
مغموم روشنی رہی تب تیرگی کے ساتھ

روحِ کلیم اُس میں اے حیدرؔ کہاں سمائے
جو ہم کلام تو رہا پر بے رُخی کے ساتھ

مطبوعہ روزنامہ ''انقلاب'' دہلی، ۱۸/اگست ۲۰۱۳ء

☆☆☆

میں نخلِ نو اُگانا چاہتا ہوں
دیارِ دل سجانا چاہتا ہوں

نکل کر دفترِ بے سود سے پھر
''مقدر آزمانا چاہتا ہوں''

کبوتر کی جگہ مینارِ مسجد
اُسے چھت سے اڑانا چاہتا ہوں

مری مٹھی میں بھر جائے اُجالا
میں ظلمت کو ڈرانا چاہتا ہوں

جو کوٹھی اب پرانی ہوگئی ہے
اسے میں خود گرانا چاہتا ہوں

فسردہ تم نہ ہونا وارثی اب
صدائے دل سنانا چاہتا ہوں

☆☆☆

اجالے دل میں کہیں بود و باش کرتے ہیں
ہیں کچھ اندھیرے جو ان کو تلاش کرتے ہیں

ملا ہے جن کو بھی کیڑے نکالنے کا ہنر
وہ پنکھڑی میں گلوں کی خراش کرتے ہیں

بنی ہے ٹولی ابھی پھر صدف شناسوں کی
بدن میں سیپ کے موتی تلاش کرتے ہیں

شعار جن کا رہا فقر کی پذیرائی
مزاجِ شاہی کو وہ ذی فراش کرتے ہیں

کیا جنھوں نے دھماکا بموں سے اے حیدرؔ
گرا کے قصر وہ فکر معاش کرتے ہیں

کھل اٹھے غنچے ہی غنچے دامنِ دل میں ابھی
ہے کوئی نغمہ گناں روحِ عنادل میں ابھی

نامکمل ہے ابھی تعمیرِ گلشن جانے کیوں
کارگر ہوجائے کوئی ان مراحل میں ابھی

ہو نہ پائیں کاوشیں بے سود اُس کی اے ندیم
کیونکہ وہ جہدِ یقیں تھا مردِ کامل میں ابھی

ہوگئیں نظریں منور دیکھ کر روئے زمیں
آگیا جس دم سفینہ قربِ ساحل میں ابھی

وہ کہاں ترسیدہ ہے ذرّہ برابر وارثی
جو رہا تیغِ برہنہ کوئے قاتل میں ابھی

اک طالبِ الفت سے پردہ نہ کبھی کرنا
شرما کے محبت کو رسوا نہ کبھی کرنا

قندیل وفاؤں کی ہے دل میں اگر روشن
تکلیف اگر پہنچے شکوہ نہ کبھی کرنا

تھا جس کا پجاری تو وہ سامنے تیرے ہے
پتھر کے صنم کو اب سجدہ نہ کبھی کرنا

جب تو ہی بنا پیکر یک جہتی عالم کا
تب جوشِ جنوں میں بھی بلوہ نہ کبھی کرنا

لیتے ہو اگر حیدرؔ تم پیار کا نذرانہ
ہر مونس و ہمدم سے بھی چرچا نہ کبھی کرنا

☆☆☆
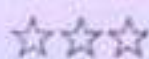
جب منافع کی بنا پر کوئی بھی سرکار ہے
کر نہ تو فکرِ زیاں کہ مصر کا بازار ہے

کھو چکی ہے مفلسی یہ اعتبارِ زندگی
ہو کے پھر مجبور کوئی برسرِ پیکار ہے

ہے چلن عریانیت کا عام گویا عصر میں
تن کو ڈھکنے سے یہ نسلِ نَو ابھی بیزار ہے

کھل کے کرتا ہے عداوت اک رفیقِ راہ بھی
دوست کا ملنا زمانے میں بہت دشوار ہے

تیرگی ہی تیرگی ہے ہر طرف اے وارثیؔ
کاش! مل جاتا وہی جو روشنی بردار ہے

☆☆☆

شورِ ساحل کی تڑپ میں جو کنارا پا گیا
وہ تو روئے ارض کا ماہ پارا پا گیا

وہ نوائے دل کو سمجھا تھا حقیقت کی زباں
اس لئے اپنے عمل کا گوشوارا پا گیا

اک نکیلا نخل کوئی ریگزاروں میں اُگا
یعنی شیدائے بیاباں گل ہزارا پا گیا

اہلِ دانش کی نظر میں پہلے تنہا تھا شجر
پر گھنیری چھاؤں میں وہ بزمِ یارا پا گیا

ابتدا سے ہم نشیں تیرا وہی تھا وارثی
آگہی جس کو ملی تو چاند تارا پا گیا

☆☆☆

میں اپنے شناساؤں کو رسوا نہیں کرتا
سہتا ہوں مصائب کوئی شکوہ نہیں کرتا

برتاؤ تو ہر اک کا ہے نظروں میں پھر بھی
محسوس تو کرتا ہوں پہ چرچا نہیں کرتا

کیوں خشمگیں پہ تیری ردِ عمل ہو میرا
بادل جو گرجتا ہے وہ برسا نہیں کرتا

تقسیم ان کو کر دیا جو حق سے مرحمت ہوئے
میں بھول کر بھی چیزوں کو رکھا نہیں کرتا

جلتا ہے دیا آپ ہی یہ سوز کا حیدرؔ
"میں عشق تو کرتا ہوں تمنا نہیں کرتا"

☆☆☆

میرا مونس مجھے جلاتا ہے
میں فسردہ ہوں وہ ہنساتا ہے

جو گزرتا ہے دکھ مصیبت سے
کرب کا حظ وہی اُٹھاتا ہے

وہی چنتا ہے سیپیوں سے گہر
جو سمندر کی تہہ میں جاتا ہے

بس گئے آپ جس کی آنکھوں میں
وہ چراغوں میں گھی جلاتا ہے

بس کہ ابرِ سیاہ میں حیدرؔ
کشتِ ویراں میں گیت گاتا ہے

☆☆☆
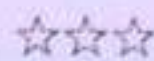
گویا دستارِ طرح دار عطا ہے تیری
یعنی اس تاجِ فضیلت میں دعا ہے تیری

تو نظر آیا مجھے باغ میں گلزاروں میں
کیونکہ ہر برگِ نوا ہی تو قبا ہے تیری

لوگ کہتے ہیں تجھے عصر کا بے مثل طبیب
جس میں اکسیر ہے شامل وہ دوا ہے تیری

اس لئے سب نے کہا تجھ کو اجالوں کا ستون
جو منور ہے ابھی اُس میں ضیا ہے تیری

اب تو ہر دل ہے بنا تیرا ہی، مسکن حیدرؔ
یعنی ہر قلب میں اب فکر انا ہے تیری

مطبوعہ اذکار، کرناٹک، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۲ء

☆☆☆

یہ سانحہ بھی عجب ہے کہ جی رہا ہوں میں
تمام چاکِ گریباں کو سی رہا ہوں میں

یہ کیسی چشمِ عنایت ہے تم ذرا دیکھو
پلا رہا ہے کوئی اور پی رہا ہوں میں

جو اس سبب سے نہ ٹھکرا سکا مجھ کو
وہ جانتا ہے کبھی امیر بھی رہا ہوں میں

یہ مفلسی ، یہ امارت ہیں حال اور ماضی
ابھی غریب ہوں لیکن غنی رہا ہوں میں

وہ پوچھتا رہا مجھ سے بارہا یہی حیدرؔ
کہ ان کے ہجر میں کیسے جی رہا ہوں میں

ماخوذ از رہگزارِ حیات

ایسا بھی اک زمانہ گزرا ہے زندگی میں
سایہ بھی جب الگ تھا ایام تیرگی میں

تب جا کے خم ہوا تھا ساجد کا سر وہاں پر
مسجود روبرو تھے جب علم و آگہی میں

زیبائشوں کی چاہت اُس کو مگر کہاں تھی
جو حسن پر کشش تھا پوشاک سادگی میں

میدانِ کربلا میں پتھر کا دل وہی تھا
گریاں نہ ہو سکا جو پیاسوں کی تشنگی میں

مانگی اُسی نے حیدرؔ خورشید کی شعاعیں
دیکھا کبھی جو اُس نے مجھ کو بھی روشنی میں

مطبوعہ روزنامہ ''پندار'' ۲۶ دسمبر ۲۰۱۲ء

☆☆☆

٭

جو بے قرار ہے اِس جا اُسے قرار آئے
رفیقِ راہ اگر تجھ سا باوقار آئے

نظر ہٹا نہ سکے جس کو دیکھ کر تو بھی
وہ ماہ رو سرِ محفل تو ایک بار آئے

میں بے ضرر ہی رہا اور بامروّت بھی
"میری طرف سے کسی دل پہ کیوں غبار آئے"

جو ہو چکا ہے فسردہ خزاں کے جھونکوں سے
اُسی کو دیکھ کے شاید ابھی بہار آئے

دعائیں دوں گا اُسے آج دل سے میں حیدرؔ
حصارِ دل میں اُتر کر جو بے مہار آئے

مطبوعہ ماہنامہ "سہیل" کولکاتہ، ماہ اپریل، ۲۰۱۳ء

☆☆☆

رحمت ہی خزینہ ہے، راحت ہی خزانہ ہے
کچھ اہلِ فضیلت ہیں جن کا یہ گھرانہ ہے

تم اپنی جبلّت سے کہلائے خرد والے
ہم اہلِ جنوں سے تو اقدار زمانہ ہے

اوصاف سے جو اپنے مقبول رہا ہر جا
طالب ہیں سبھی اُس کے وہ سب کا یگانہ ہے

اُجڑے گا اگر کوئی وہ پھر سے بسالے گا
بے فکر ہے وہ بندہ جس کا وہ ٹھکانہ ہے

دل دوز ہوئے حیدؔر حالات ہیں کچھ ایسے
آزارِ محبت کو اب دور بھگانا ہے

☆☆☆

جودِ و سخا کا آج بھی جو ذی وقار ہے
اس کو خرد کی انتہا اُس پر نثار ہے

ایوانِ دل میں بس گیا جب کوئی مجتہد
تجدیدِ عصر کا تو وہی اعتبار ہے

جو شخص کل تلک رہا اِس شہر کا نجیب
کیسی خطا ہوئی ہے کہ وہ سنگ سار ہے

جو سنگ دل ہی رہ گیا عرصہ دراز تک
کس بات پر وہ اس گھڑی یوں اشک بار ہے

آنکھوں میں پڑ گئیں ہیں تقدّس کی ڈوریاں
گویا عبودیت کا وہ کوئی نگار ہے

بحرِ اَلم سے جس نے نکالا ہے وارثیؔ
گرداب معتبر کا وہ راحت گزار ہے

☆☆☆

۞

نہا گئی کوثر میں رات
آئی ہے نوری برسات

عام ہوئی ہے بادہ کشی
حیرت میں ہے میری ذات

کیسی دوری اس نے بڑھائی
ہو نہیں پائی کھل کر بات

آنکھ جو کھولی چڑیوں نے
تب دیکھی میں نے پربھات

آیا سکھ تب جیون میں
بہتر ہوئے جب حالات

کام آئی تنہائی مجھے
کہیے اس کو سرِ حیات

جب جب حیدرؔ کیف میں آئے
وجد میں آئی اپنی ذات

☆☆☆

جو روپ تھا نازیبا وہ آج سلونا ہے
"دنیا جسے کہتے ہیں جادو کا کھلونا ہے"

یہ اُس کا تصرف ہے یا سعی عمل کوئی
کل تک تو وہ پیتل تھا پر آج وہ سونا ہے

احسان اٹھائے مانجھی کا بھلا کیونکر؟
کشتی کو جسے گویا ساحل پہ ڈبونا ہے

خاطر میں نہیں لاتے کیوں ماہ جبینوں کو
جب طالب الفت کا تو ایک بچھونا ہے

بیدار ہی رہنا ہے تا عمر تجھے حیدرؔ
تب خاک بسر ہوکر تا حشر ہی سونا ہے

☆☆☆

مزاج عصر کا جس کو شعور مل جائے
رہِ حیات کا اس کو سرور مل جائے

جو شادماں کرے اپنے سلوک سے سب کو
وہ انبساط کی خاطر ضرور مل جائے

کبھی نہ یاد کرے اپنی میکشی کو وہ
تمہارے ہاتھوں سے جس کو طہور مل جائے

شمار جن کا شریفوں میں ہو گیا حیدرؔ
پھر ہوگا کیا اگر ان میں فتور مل جائے

مطبوعہ ''جمناتٹ'' ہریانہ، ماہ اپریل تا جون ۲۰۱۲ء

☆☆☆

دیکھا جسے تھا میں نے کبھی گل عذار میں
آیا نظر وہی مگر اب ریگزار میں

آیا نظر مجھے کبھی سولہ سنگھار میں
بکھرا ہوا وہی ملا لیل و نہار میں

وہ کون تھا جو ضرب لگا کر چلا گیا
باقی ہے گونج اس کی ابھی تک دیار میں

مخمل کے فرش پر رہا خوابیدہ جو کبھی
وہ سیم تن ہے شہر خموشاں کے غار میں

خدمت گزار ہوگیا جب کوئی رہنما
مخدوم بن گیا وہی قرب و جوار میں

تھا عطر بیز کوئی ابھی قبل موت سے
خوشبو بسی ہے اس لئے اس کے مزار میں

جب گل نثار ہوگئے سب اُس پہ وارتی
وہ شادمان ہوگیا فصلِ بہار میں

☆☆☆

اجنبی سمتوں سے جس دم استعارا مل گیا
تب برائے نور و نکہت گل ہزارہ مل گیا

دونوں جانب بھیڑ کا جب سلسلہ قائم رہا
درمیاں سے راہ پانے کا اشارہ مل گیا

لوگ جب مصروف تھے سود و زیاں کے شہر میں
میں اکیلا جب بچا، مجھ کو کنارہ مل گیا

روک پایا بس وہی اسرافِ بے جا کو مگر
جس کو پنشن پر ہی گویا اک گذارہ مل گیا

واسطہ تنویر کا تصویر سے گہرا رہا
وہ بڑا خوش بخت تھا جس کو اتارا مل گیا

کر ہی لیتا ہے وہ تقدیسِ حرم کو پھر سلام
جس کو راہِ عاشقی میں اک منارہ مل گیا

جو سمجھتا تھا کہ پتھر سے بنا ہے دل ترا
جب ملا حیدرؔ وہ تجھ سے اُس کو یارا مل گیا

☆☆☆

وہ ازل سے تا ابد تو آئینہ خانوں میں تھا
خاک پر اُترا وہی جو عرش کے شانوں میں تھا

جو زمیں پر کل تلک تھا کوئی معمولی بشر
قیدِ جسم و جاں سے نکلا تو خدا خانوں میں تھا

گردشوں میں جو رہا سوئے تجلّی رات بھر
وہ پرستارِ ضیا تھا اور پروانوں میں تھا

اہلِ دل، اہلِ محبت، باعثِ عزّ و شرف
جب کبھی آیا میرے گھر خاص مہمانوں میں تھا

جو حوالہ بن گیا تھا آگہی کا عصر میں
تھا وہی بابِ زمانہ جو ضیا خانوں میں تھا

کہہ نہ پایا ہر غرض کو چاہ کر بھی آپ سے
ہو نہ جائے وہ کہیں رسوا جو ارمانوں میں تھا

ہوگیا مخدوم کوئی جب یہاں پر وارثی
وہ تو سلطانِ زماں تھا، میں ہی دربانوں میں تھا

☆☆☆

جو سونی ڈگر مجھ کو دکھانے میں لگے ہیں
وہ بھیڑ کی زحمت سے بچانے میں لگے ہیں

خوابوں کی حویلی کو سجایا ہے انہوں نے
جو خوابِ گریزاں کو منانے میں لگے ہیں

جو بحر کے طوفاں سے نکل آئے سلامت
پتوار کا جوہر وہ سکھانے میں لگے ہیں

جب نور کی کھیتی نہ ہوئی اُن کی فروزاں
وہ چاند ستاروں کو اُگانے میں لگے ہیں

حاصل ہے جنہیں نرمیٔ گفتار کی صنعت
پتھر کو وہی موم بنانے میں لگے ہیں

کیوں شور مچا آج مری گلیوں میں حیدرؔ
کیا لوگ مرے گھر کو جلانے میں لگے ہیں

☆☆☆

چہرہ جو دیکھنے میں ابھی لالہ زار ہے
اندر سے کون جانے وہی سوگوار ہے

جلوت میں جو ابھی یہاں جس میں شرار ہے
خلوت میں دیکھتے ہیں وہی برف بار ہے

سازش ہوئی کہ اس پہ رہے تیرگی محیط
جو وصفِ آفتاب ہے وہ ضوفشار ہے

خود فصلِ گل نے جس کو بنایا تھا ہم جلیس
اُس کو نہ چھو سکی وہ خزاں پر بہار ہے

اک شہ بچھا گیا تھا کبھی راحتوں کا جال
وہ خوش خصال اس لئے اب پروقار ہے

۞

رعنائیوں کو پاس بلاتا رہا ہوں میں
صحنِ دیارِ دل کو سجاتا رہا ہوں میں

ہے ساز کائنات بھی سوزِ حیات میں
اس آنچ میں جگر کو جلاتا رہا ہوں میں

کربل کی پیاس بھولنے والی تو شئے نہیں
اِک جشنِ تشنہ کام مناتا رہا ہوں میں

زلفوں کی نکہتوں کو صبا سے کشید کر
اکثر مشامِ جان بناتا رہا ہوں میں

محزوں ہوا نہ فصلِ خزاں میں بھی وارثیؔ
پت جھڑ کی دُھن میں گیت سناتا رہا ہوں میں

☆☆☆

صداقتوں کی اگر زندگی میں چاہ نہیں
عدالتوں کی جہاں میں وہ بارگاہ نہیں

کوئی بھی پائے گا قربت کو اپنی الفت سے
کہ خوش روی کے لئے ایسی کوئی راہ نہیں

بھرے جو کاسہ خالی کو میرے اک جواد
زمانے بھر میں ابھی تک تو ایسا شاہ نہیں

اگر ہے کوئی منزّہ حسین پیکر میں
نظر سے دیکھنا اُس کو کبھی گناہ نہیں

دعائیں دے جسے تیرہ شبی بھی اے حیدر
فشارِ نور کی ایسی تو جلوہ گاہ نہیں

☆☆☆

روحِ رفیقۂ حیات کی نذر

سالارِ دردِ دل کے وہ درماں چلے گئے
جو میزبانِ دل تھے وہ رضواں چلے گئے

ظلمت کدہ بنا وہی عشرت کدہ تھا جو
پُرنور، ضوفشاں مہہ تاباں چلے گئے

جس نے کھلائے وادیٔ دل میں شگفتہ پھول
وہ لالہ زار سوئے بیاباں چلے گئے

وہ ہم جلیس، ہمنوا، دلدار، دلنواز
محفل اُداس کر کے خیاباں چلے گئے

رازِ حیات کس سے کہوں اجنبی ہیں سب
ہمراز میرے کوئے خموشاں چلے گئے

اُلفت کے نخل جس نے اُگائے تھے جا بہ جا
مجھ کو جگا کے سوئے شبستاں چلے گئے

تو ہی تو ساتھ رہتا مرے آج وارثیؔ
سازِ طرب کے سارے وہ ساماں چلے گئے

☆☆☆

رستے ہوئے زخموں کو پلکوں پہ بٹھا لینا
اس کرب کے جگنو سے باطن کو سجا لینا

تم پھول کھلاتے ہو گلدانوں میں جب ہر جا
کانٹوں سے مگر دامن اپنا تو بچا لینا

جو بات نہیں کرتا ہر شخص سے جانے کیوں
تم شیریں کلامی سے بس اس کو لبھا لینا

تہذیب کے شانوں پر تعمیر اگر پھر ہو
ہم جیسے فقیروں کو تم اس میں بسا لینا

سویا جو ابھی تک ہے اپنے ہی شبستاں میں
ہر سمت تمازت ہے اب اس کو جگا لینا

بے خوف جو رہتا ہے ڈر جائے گا وہ اک دن
حالات بدلنے دو تب اس کو ڈرا لینا

جو راہ مسرت کا طالب ہے زمانے سے
جس روز وہ مل جائے سینے سے لگا لینا

چھا جاؤ گے تم بھی تو سامع کے دلوں میں ہی
اشعار بیاضوں سے چپ چاپ چرا لینا

جب نیکی کرو حیدرؔ دریا میں اسے ڈالو
احسان جو ہو جائے اس کو نہ جتا لینا

☆☆☆

جانے کیسی بہار آئی ہے
آج خاروں کی رو نمائی ہے

دیکھ اُس پر بھی ہنس پڑی دنیا
جس نے میری ہنسی اڑائی ہے

آسماں کے بدل گئے تیور
مشکلوں میں زمین آئی ہے

عقل والے بھی محوِ حیراں ہیں
چار سُو شوقِ خود نمائی ہے

دلِ ناداں نثار ہے اُس پر
جس کی مشہور بے وفائی ہے

ظلم ڈھاتا ہے کج ادائی سے
دل فریبی کہ دل رُبائی ہے

مل گیا ہے سکون حیدرؔ کو
منزلِ یار تک رسائی ہے

☆☆☆

فصلِ بہار آئی تو چہرے بدل گئے
حُسن و جمال روپ کے پیکر میں ڈھل گئے

صحنِ چمن میں پھول کِھلے تھے کچھ اِس طرح
گویا نظر کے تیر بھی اُس دم پھسل گئے

کل تک جو ریگ زار تھا اب لالہ زار ہے
جب چشمۂ حیات وہاں پر اُبل گئے

پائی خوشی کسی نے مصائب کے باوجود
کچھ اہلِ زر کباب کی مانند جل گئے

اب اُن کے کیف و کم کا کہنا ہے کیا ندیم
پی کر شرابِ وصل جو اِس جا مچل گئے

کیوں اُس نے اپنے حسن کو کھویا ہے دیکھیے
غیظ و غضب کا غازہ جو چہرے پہ مل گئے

حیدؔر نے چھوڑ ہی دیا خود اپنے گھر کو آج
پُر امن زندگی کے جب آثار ٹل گئے

☆☆☆

پہنا ہے گُل نے جب کبھی رنگین پیرہن
حاصل ہوا ہے تب ہی اُسے کوئی بانکپن

جب تک چمن سے دور تھا وہ مضطرب رہا
لیکن یگانگی نے تو پلٹا دیا وطن

بیگانہ اس کو تم نے کہا آج کیوں ندیم
جو تادمِ حیات رہا حامیِ چمن

بھر پایا زخم اس کا نہ مرہم کے باوجود
دیتی رہی صدا اُسے ہر لمحہ اک چبھن

وہ کوئی بے بسی تھی کہ حکم خدا کوئی
تھا سامنے طعام تو ساکت رہا دہن

چہرہ تھا پرکشش وہی ضعیفی میں وارثی
کہلایا ابتدا سے جو تمثیل کا بدن

☆☆☆

لمحے یادوں کے مہکتے رہے صندل کی طرح
میرے شانے پہ کوئی زلف تھی آنچل کی طرح

شہرِ محبوب کا موسم بھی ہے قاتل جیسا
کوئے جاناں بھی لہو رنگ ہے مقتل کی طرح

غم کسی کے نہیں جانے کا، نہ آنے کی خوشی
بزمِ ہستی کا ہر اک نقش ہے جب پل کی طرح

بام و در ذہن کے یونہی تو نہیں کچھ روشن
کون ہے یادوں کی دہلیز پہ مشعل کی طرح

بے کسی نے ہی نبھائی ہے رفاقت اب تک
''ہم گنہہ گار حیات آج بھی ہیں کل کی طرح''

نسبتِ عالی اسی قرب کو کہتے شاید
برگِ گل شاخ سے وابستہ ہے ڈنٹھل کی طرح

گرچہ حیدرؔ کی طرح اس کی بھی آنکھیں نم ہیں
لطف جب ہے کہ برس جائے بھی بادل کی طرح

(مطبوعہ ماہنامہ ''ایوان اردو'' دہلی، ماہ جنوری ۲۰۱۷ء)

☆☆☆

اب تو الجھن بڑھا گیا کوئی
دل جلوں کو جلا گیا کوئی

رسمِ الفت نبھا گیا کوئی
غنچۂ دل کھلا گیا کوئی

میں نہ پہچانتا کبھی اس کو
میرے دل میں سما گیا کوئی

تو ہی تو درد کا مداوا تھا
درد جب بھی بڑھا گیا کوئی

جب منور ہوا شبستاں یہ
شمعِ دل کیوں بجھا گیا کوئی

کیوں نہ حیدرؔ پڑھے عقیدت سے
گل کتب میں چھپا گیا کوئی

☆☆☆

کوئی سن سکے تو سن لے مرے درد کا فسانہ
کہ لبوں پہ آگیا ہے غمِ زیست والہانہ

میں ہوں بے اماں ابھی تک ، نہ مرا کوئی ٹھکانہ
ہوا کچھ سلوک ایسا جسے کہیے قاتلانہ

نہ کوئی ہے پاس میرے نہ کوئی ہے ساتھ میرے
نہ رہا کوئی شناسا، نہ رہا کوئی یگانہ

وہ سمجھ سکا نہ مجھ کو جو شریکِ غم نہیں تھا
ہے اُسی سے رشتہ میرا جو رہا مرا گھرانہ

نہ رہے ہے جب کوئی بھی تو خدا رہے ہے لیکن
یہی ہے یقین میرا، وہی رب ہے جاودانہ

مطبوعہ ماہنامہ ''سب رس'' حیدرآباد ۲۰۱۶ء

☆☆☆
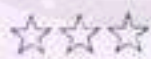
جو انوکھے نگر میں رہتا ہے
وہی زیر و زَبَر میں رہتا ہے

مل گئی جس کو معرفت تیری
وہ تو ہر دم خبر میں رہتا ہے

جس کو دیکھا نہیں کبھی تو نے
وہ تری رہ گزر میں رہتا ہے

مل ہی جائے اُسے لبِ ساحل
جو ہمیشہ بھنور میں رہتا ہے

ہاں وہ انجام تک نہیں پہنچا
بس کہ وہ گر، مگر میں رہتا ہے

اُس نے پائیں مسرتیں کیوں کر
جو تصنع کے گھر میں رہتا ہے

ریت کی تہہ میں جو ملا تھا کبھی
اب وہ لعل و گُہر میں رہتا ہے

جس نے پایا نہیں کمالِ فن
کب دیارِ ہنر میں رہتا ہے

خوں اُگلتا ہے جب کہ ہر منظر
پھر بھی تُو بام و در میں رہتا ہے

وارثی شاید اہلِ دل ہی وہی
کرب کے جو سفر میں رہتا ہے

☆☆☆

کبھی زمیں کو ہی رشک آسماں کرتے
کسی بھی ذاتِ مقدس کو میہماں کرتے

تمام عمر رہا میرا ہم سفر سورج
تمام عمر رہی دھوپ سائباں کرتے

رہا نہ ذکر بھی جس کا کسی فسانے میں
یہ آرزو ہے اسے زیبِ داستاں کرتے

نہ کر سکا میں کسی کو بھی ہمنوا اپنا
''کٹی ہے عمر لہو اپنا رائیگاں کرتے''

کہاں ہے نزد مرے سنگِ میل کوئی بھی
کہ آج آپ کو ہم میرِ کارواں کرتے

مجھے ملی نہ کبھی کوئی سروری حیدرؔ
اگرچہ عمر کٹی خود کو جانِ جاں کرتے

☆☆☆

خلا میں رقص کبھی اہلِ آسماں کرتے
ہوا میں اڑ کے بھی وہ خود کو شادماں کرتے

وصالِ شوق میں آتی ہیں الجھنیں مجھ تک
سلامتی کے لئے ہم اُن کو پاسباں کرتے

ملے جو نغمگی مفقود شاعری میں اگر
کسی عروض کے ماہر کو جانِ جاں کرتے

نظر میں ہے وہی حسن و جمال کا پیکر
یہ آرزو ہے اُسے زیبِ داستاں کرتے

اگر نگاہ میں آئے نہ میل کا پتھر
تو اپنے آپ کو ہی میرِ کارواں کرتے

ادا نہ ہم سے ہوا حقِ آگہی کوئی
صدائے غیب سے ہی آپ خود بیاں کرتے

بنا نہ کوئی مرا ہم نوا کبھی حیدرؔ
"کٹی ہے عمر لہو اپنا رائیگاں کرتے"

☆☆☆

مطبوعہ ماہنامہ "ایوان اردو" دہلی، اپریل ۲۰۱۷ء

تفہیم اگر میری اَنا تک نہیں آتی
پر آپ کو کیوں رسمِ وفا تک نہیں آتی

کیوں روکا ہے گلدان کی خوشبو کو کسی نے
اونچی ہوں فصیلیں تو ہوا تک نہیں آتی

دیتے ہیں واسطہ یہ، بلا واسطہ کو آپ
بس اس لئے تو دل سے صدا تک نہیں آتی

گریاں ہی رہا آج کوئی موت سے پہلے
اس زیست کی خاطر تو دعا تک نہیں آتی

جب جان لبوں پہ ہی اٹک جائے کسی کی
اس حال میں تو کوئی دوا تک نہیں آتی

کرتا ہے کوئی وارثی اللہ سے سودا
بس اس لئے نیکی بھی جزا تک نہیں آتی

☆☆☆

(مطبوعہ ماہنامہ ''آجکل'' دہلی، ماہ ستمبر ۲۰۱۶ء)

ہر جا بسے ہیں غیر ہی جب، گھر سمیٹ لو
"جانا ہے اس دیار سے منظر سمیٹ لو"

گر مثلِ شیشہ ہوگئے ہو تم بھی اے ندیم
اپنے بچاؤ کے لئے پتھر سمیٹ لو

کوئی خطیب ہے ہی کہاں بُوالکلام سا
مجلس سے پھر تو زینتِ منبر سمیٹ لو

آئے گا اب نہ دوسرا یوسف جمال کوئی
تصدیقِ حسن کے لئے دل بر سمیٹ لو

کیا اس سے بڑھ کے ہے کوئی اب ظلم کی مثال
اے جورِ باکمال ستم گر سمیٹ لو

عنقا ہوا ہے طالبِ یزداں ہی وارثی
خوابوں کے ہر گمان کا پیکر سمیٹ لو

☆☆☆

دیدہ ور نے جس جگہ فصلِ بہاراں کر دیا
میں نے اس جا اہلِ دل کو گُل بداماں کر دیا

باغباں دکھلا گیا گل کاریوں کا فن ابھی
ریگ زاروں کو بھی اُس نے خیاباں کر دیا

یہ تصرف ہے کوئی بھی معجزہ ہرگز نہیں
"جس بیاباں پر نظر ڈالی گلستاں کر دیا"

اہلِ ثروت نے کیا مجھ کو ہی کیوں مایوس کل
غم کے ماروں نے تو اس دم جانِ جاناں کر دیا

لب کشا جو بھی ملا وہ چُپ رہا برسوں یہاں
پیکرِ وحشت بنا تو مجھ کو حیراں کر دیا

میں فدا ہوں جان و دل سے آج بھی اُس پر ندیم
اس طرح توڑا مجھے اس نے پشیماں کردیا

بے وفا تھا پھر بھی تو وہ باادب تھا وارثیؔ
ناگہاں دیکھا جو اس نے مجھ کو خنداں کر دیا

☆☆☆

رخ بدلتے ہوئے حالات سے جی ڈرتا ہے
شعبدہ باز کرامات سے جی ڈرتا ہے

اک ہنسی پر رہا میں برسوں تلک یوں گریاں
"مسکراتے ہوئے لمحات سے جی ڈرتا ہے"

اس نے کیوں دیکھا ابھی رنگِ حنا کا سیلاب
جس کو مچلے ہوئے جذبات سے جی ڈرتا ہے

اب اتارو تو سہی منصب عالی سے اسے
ناروا شخص کے درجات سے جی ڈرتا ہے

پیکرِ حسن سے مل جائے نہ پندارِ لطیف
عصرِ نو کی نئی سوغات سے جی ڈرتا ہے

اجنبی بن کے ہی ملنا ہے کسی سے اس دم
جانے کیوں سب کی ملاقات سے جی ڈرتا ہے

ریزہ ریزہ ہوا حیدؔر یہ مرا دل جب سے
اس زمانے کی عنایات سے جی ڈرتا ہے

☆☆☆

اتر کر آسماں سے میری الجھن کس نے سلجھا دی
گرہ جو کھل نہ پائی تھی وہی تو اس نے کھلوادی

ہوئے ہم سب منور اُس کے سایے میں ضیا بن کر
وہ کوہِ نور تھا جس نے شعاعِ زیست پھیلا دی

نظر آنے لگا ہر موڑ پر اب کارواں دیکھو
رہِ پُر پیچ تھی آخر کو اُس نے سہل کروادی

لباسِ خلق میں ظاہر ہوئی جب ذاتِ اقدس وہ
برائے اہلِ دل اُس نے نمازِ عشق پڑھوا دی

ذرا دیکھو میاں حیدرؔ ملا ہے کیا صلہ تم کو
تمہاری چشمِ تر سے اُس نے کیسی ابر برسا دی

☆☆☆

بکھرا اگر شیرازہ تو سنورنا محال ہے
دشتِ جنوں سے عقل کو پانا محال ہے

جب زیبِ گلستان ہیں جنگل کی جھاڑیاں
خاروں پہ چل کے پھول کترنا محال ہے

پتھر پڑے ہیں جادۂ منزل میں جا بہ جا
دشوار راستوں کو بدلنا محال ہے

ہے سہل کہاں کہ پائے کوئی راہِ عاشقی
گرداب اور بھنور سے نکلنا محال ہے

رہ جائے رمز اس کا پس پردہ اس لئے
ایسا لکھا ہے اُس نے کہ پڑھنا محال ہے

عریاں ہے جسم سارا لباسوں کے باوجود
لوگوں کو شاہ راہ پہ چلنا محال ہے

حاصل ہے چھاؤں اہلِ شجر کو ہی وارثیؔ
سنسان رہ گزر سے گزرنا محال ہے

☆☆☆

ہوئی ہے کاوشوں سے جب کوئی تعمیر مدت تک
ملی حسنِ حقیقت کو نئی تنویر مدت تک

کسی نے صورتِ زیبا جو دیکھی خواب میں تیری
بسی قلب و نظر میں وہ حسیں تصویر مدت تک

ہے پاسِ وضع ہر دم اور خیالوں میں رواداری
بنی پھر تو وہی ہر حال میں زنجیر مدت تک

ذرا پڑھ لے تو کوئی صورتِ محبوب کو دل سے
"لکھی ہے مصحفِ رخسار کی تفسیر مدت تک"

لیا جو ذائقہ زہراب کا شکر سمجھ کر ہی
دوا تھی بے اثر بھی ثابت ہوئی اکسیر مدت تک

وہ جس نے خونِ دل سے خامہ فرسائی کبھی کی تھی
ہوئی گویا منور اس کی ہر تحریر مدت تک

ملے تقویم سے حیدرؔ کو جب تشکیل نو گویا
تو پھر پائے گا وہ بھی اک نئی توقیر مدت تک

☆☆☆

جب کبھی اپنی محبت کے فسانے نکلے
زخم ہجرت کے مجھے پھر سے ستانے نکلے

مسئلے امن کے تو صرف حوالے ہیں میاں
درحقیقت یہ عداوت کے بہانے نکلے

ایک ہو در تو کہیں سر کو جھکائیں ہم بھی
راہ میں کتنے خداؤں کے ٹھکانے نکلے

جس نے سرسبز چمن کو کبھی ویران کیا
ریگ زاروں میں وہی پھول کھلانے نکلے

ٹوٹ کر جن کو سمٹنا ہی نہ آیا ہو کبھی
وہ ہمیں راہ سمٹنے کا بتانے نکلے

قتل کے بعد ہی اُن کو تو یہ احساس ہوا
''اپنے ہی خون کے دریا میں نہانے نکلے''

ہم نے سمجھا ہی نہیں وقت کے تیور حیدرؔ
یوں تو سمجھانے ہمیں سارے زمانے نکلے

☆☆☆

دیکھ کر تصویر اپنی مسکرانا چاہیے
وقت کے آلام سے پھر جی چرانا چاہیے

ہوگیا ہے فتنہ پرور شہر میں اب ہر کوئی
ہستیِ موہوم کو اُس سے بچانا چاہیے

صرف سجدوں سے کہاں چلتا ہے کارِ عبدیت
"سر کے ساتھ انسان کو دل بھی جھکانا چاہیے"

قید کر لے کوئی بھی لیکن رہے اس کو خیال
وہ اگر صیاد ہے ، مجھ کو بھی دانا چاہیے

عاشقوں کو راس آئی اشک افشانی بہت
نغمۂ سازِ فسوں پر گنگنانا چاہیے

میں رہوں مایوس کیوں جب چارہ گر تو ہی رہا
زخمِ دل، زخمِ جگر کو بھول جانا چاہیے

عہدِ پیری میں رہا مصروف حیدر وارثی
زندہ رہنے کے لئے کوئی بہانا چاہیے

☆☆☆

ردا نشانے پہ ہے اور حیا نشانے پر
عجب ڈگر پہ کھڑی ہے انا نشانے پر

یہ انقلاب زمانہ ہے دیکھ لے کوئی
''چراغ گھات میں ہے اور ہوا نشانے پر''

صدائے دل نے کیا ہے گناہ گار کو زیر
خدا کے خوف سے اب ہے خطا نشانے پر

جمالِ شمس کے منظر میں کھو گئے طائر
ہے سات رنگوں میں اب یہ فضا نشانے پر

سنایا فخر سے جب فیصلہ عدالت نے
مچا یہ شور کہ ہیں بے خطا نشانے پر

بناتا کیوں ہے کوئی ریت پر مکاں اپنا
کہ خاکِ آرزو ہر پل رہی سدا نشانے پر

یہ طربیہ تو نہیں المیہ ہے اے حیدرؔ
ہوائے نفس سے ہے پیشوا نشانے پر

☆☆☆

ذرا سیلِ نظر میری طرف اے یار ہو جائے
تو پھر یہ سہل مری منزلِ دشوار ہو جائے

یہ نظریں ڈھونڈتی ہیں اے دلِ روشن تجھے ہر جا
تمنا ہے کسی شئے میں ترا دیدار ہو جائے

بنایا غیر کو بھی میں نے اپنا اس لئے اس دم
کہ اس کو خود فراموشی میں مجھ سے پیار ہو جائے

جو وجہِ مئے پرستی ہے رہا وہ ملتفت مجھ پر
اگر چاہے کوئی بھی کیف سے دوچار ہو جائے

ہوس ہے نام پانے کا کہ جس کو وہ کرے ایسا
نکل کر وہ انا کی قید سے اخبار ہوجائے

نہیں ممکن کہ قربت ہی ملے ہر شخص کو مجھ سے
رہے وہ دور لیکن مونس و غم خوار ہوجائے

اُگے ہیں سبزۂ نورستہ اپنے قصر میں حیدر
اگر رنگِ دھنک چاہے کوئی دیوار ہوجائے

خود کو نکال لائے کبھی درمیاں سے ہم
وابستہ پھر ہوئے ہیں ترے کارواں سے ہم

ساعت نشاط کی ملے ہم بے نشاط کو
مغموم کب تلک رہیں جورِ زماں سے ہم

مل جائے اب تو تازگی فصلِ بہار کی
"مسلے ہوئے ہیں آج بھی دورِ زماں سے ہم"

دامن دریدہ کیوں ہوا یوسف جمال کا
پوچھیں یہی سوال کبھی مہہ وشاں سے ہم

پانی ہیں رفعتیں ہمیں آکاش سے پرے
منزل کا پوچھتے ہیں پتہ کہکشاں سے ہم

دھجی نہیں اڑاتے غریبوں کی ہم کبھی
ملتے ہیں ان سے اس لئے دل اور جاں سے ہم

کون و مکاں میں وارثی پائیں گے کیا مقام
جب اٹھ کے آگئے ہیں ترے آستاں سے ہم

☆☆☆

جو فیضِ عام ہیں ہر سمت اک زمانے سے
لگی ہے لَو مری اُن کے ہی آستانے سے

کہا انوارِ عالم ہی جہاں نے بارہا جن کو
"جبینِ شوق کو نسبت ہے ان کے آستانے سے"

کیا ہے شادماں جس نے سبھی کو ہر طرف گویا
دلِ وحشت ابھی غم گیں ہے اُن کے آزمانے سے

اٹھی چشمِ عنایت تو منور تھے اندھیرے بھی
چمک آئی نگاہوں میں ہے اُن کے جگمگانے سے

ہمارے پاسباں ہیں وارثِ عالم زمانے میں
نہیں مٹ پائیں ہم تو کسی کے اب مٹانے سے

جسے پانا ہے اپنا رزق آبادی سے ہٹ کر ہی
وہی طائر رہے گا دور اپنے آشیانے سے

تمہیں چاہت اگر یزداں کی ہے اے وارثیؔ سن لو
تو چن لو گوہرِ نایاب وارث کے خزانے سے

☆☆☆

کردار آج راہِ وفا میں لگا رہا
"فن کار زندگی کی بقا میں لگا رہا"

مجرم نے مان ہی لیا جب اپنا جرم آج
منصف کا فیصلہ کہ سزا میں لگا رہا

مرہم کے باوجود بھی یہ کرب کم نہ تھا
بس اس لئے وہ تیری رضا میں لگا رہا

اب آخری ستم کی بھی شہتیر گر گئی
پر جانے کیوں وہ جور و جفا میں لگا رہا

شرفِ قبولیت کی تو ساعت گزر گئی
پھر بھی گناہ گار دعا میں لگا رہا

اُن کی رضا پہ رہنا ہی گویا محال تھا
یہ جان کر وہ اپنی انا میں لگا رہا

بازار بخل گرم تھا ہر سمت وارثیؔ
پھر بھی تو کوئی جود و سخا میں لگا رہا

☆☆☆

جو مصائب دے کے تیرا معاملہ لے جائے گا
وہ ترے کرب و الم کا مرحلہ لے جائے گا

گر بھگو دے اپنی مژگاں کو سرِ محفل کوئی
سوزشِ دل کا وہی تو سلسلہ لے جائے گا

قوت بازو کو رکھ اپنے عدو سے تو الگ
ورنہ اس دم وہ ترا ہر ولولہ لے جائے گا

مانگنا ہرگز نہ تو امداد غیروں سے ندیم
''وہ سہارا دے کے تیرا حوصلہ لے جائے گا''

گر کبھی قسمت سے نسبت مل گئی اس کی ہمیں
ہم غریبوں کا بھی وہ تو قافلہ لے جائے گا

جب رجوع ہو جائے گا دل اس کا بھی تیری طرف
پھر وہ تیری حرمتوں کا فیصلہ لے جائے گا

تم کرو فریاد اپنی بھی اسی سے وارثیؔ
جو دلاسہ دے کے ہر شکوہ گلہ لے جائے گا

☆☆☆

میں آپ کے اشعار کو پڑھنے کے بعد حیرت زدہ ہوں کہ آج تک آپ سے کیوں لاعلم تھا؟ آپ کے کلام میں ایسی تاثیر ہے کہ آدمی اس کی گرفت میں چلا جاتا ہے۔

آپ کے اشعار بے حد خوبصورت ہیں خصوصاً منقبت کا حصہ محبت و عقیدت کی گواہی دیتا ہے۔ حضرت وارث پاک سے آپ کی عقیدت بھی اس سے جھلکتی ہے جو وارث کا غلام ہو اسے فکر ہی کس بات کی ہے؟

مشتاق احمد نوری
پٹنہ
جولائی ۲۰۰۲

مصنف کی دیگر تصنیفات

عکس جمال (پہلا شعری مجموعہ) (۲۰۰۲ء)
قربت کی خوشبو (دوسرا شعری مجموعہ، ۲۰۰۷ء)،
ریگ زارِ حیات (تیسرا شعری مجموعہ ۲۰۰۸ء)
سفر روشنی کا (چوتھا شعری مجموعہ، ۲۰۱۰ء)،
سمندر کی آنکھ (پانچواں شعری مجموعہ، ۲۰۱۲ء)
خودنوشت سوانح حیات (زیر طبع)

AJNABI SAMTON SE
(Poetry)

by : Haider Warsi

حیدر وارثی

حیدر وارثی کے کلام اور مقام سے واقفیت کے لئے ان کے تازہ مجموعے "اجنبی سمتوں سے" کا مطالعہ ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔ قدامت، روایت، جدیدیت اور مابعد جدیدیت جیسے زمانی اور رجحانی اثرات سے اردو شاعری، علی الخصوص اردو غزل نے وقتاً فوقتاً استفادے کو زبردست اہمیت دی اور ذائقے کی ہمہ رنگی نے غزل کو اس طور مالا مال کیا کہ تمام اصناف ایک طرف اور غزل کا جادو ایک طرف۔ روایت کا ہو کہ رنگ جدید ہو یا صوفیانہ کلام، غزل کے شعر کا طلسم بہر حال اور بہر طور مقبول رہا ہے۔ حیدر صاحب کے اس مجموعے میں متوسط طوالت کی بحروں میں کلام زیادہ ملتا ہے۔ ان میں حمد، نعت، منقبت اور شخصیات اور تیوہاروں پر نظمیں بھی شامل ہیں۔ لیکن مجھے محسوس ہوا کہ مختصر اور سہل ممتنع بحروں میں لکھی گئی اکثر غزلیں دامن دل کھینچنے میں زیادہ کامیاب ہیں۔ ہر چند ان کی تعداد کم ہے۔ علاوہ ازیں مشاعروں میں پڑھی گئی طرحی غزلیں بھی ہیں۔ جن سے ان کی قادر الکلامی کا ثبوت ملتا ہے۔ اپنے ہم عصروں اور ہم جلیسوں میں جہاں لطف الرحمٰن کے تفکر کی تعبیر اور سینئر لوگوں میں مظہر امام کے تحیر کی تاثیر حیدر صاحب کے کلام میں استحسان کی سرحدوں سے علاقہ رکھتی ہے، وہیں صوفیانہ رنگ کی اثر آفرینی نے بھی ان کے اکثر اشعار کی ہالہ بندی کی ہے۔ ان کے لہجے میں پگھلتی ہوئی شمع کی مانند شیرینی اور دھیمے پن کا سراغ ملتا ہے، جبکہ رنگ میں تنوع کی قمقمہ سازی کی تلاش بہ آسانی کی جا سکتی ہے۔ اکثر اشعار میں اچھال سے زیادہ گہرائی کو اولیت حاصل ہے، جو یکسوئی، تحمل اور انتہائی انہماک کے ساتھ مطالعے کی متقاضی ہے:

جو کوٹھی اب پرانی ہوگئی ہے — اسے میں خود گرانا چاہتا ہوں!
جو سمجھ لیتا ہے کنایوں کو — گفتنی کا وہ استعارہ ہے
جو صداقت کو بھولتا ہے جناب! — وہ شریعت کو بھول جاتا ہے!!

قوی تر امکان ہے کہ اس کتاب کی شاعری سنجیدہ اذہان کے لئے خاصی کشش کا باعث ہوگی۔

شاھد جمیل
(سہسرام، ۲۵/مارچ ۲۰۱۷)

EDUCATIONAL
PUBLISHING HOUSE
www.ephbooks.com

978-93-86486-76-9